شاهد حسین رزاقی

سیّد جمال الدین افغانی

مارچ ۱۸۹۷ء میں جبکہ سلطان عبدالحمید کے ایک مصاحب ڈاکٹر ابوالہدیٰ نے سید جمال الدین افغانی کے ہونٹ میں نشتر کے ذریعہ زہر پہنچا دیا تھا اور وہ اپنی انقلاب آفریں زندگی کے آخری ایام نظربندی کی حالت میں بستر مرگ پر گزار رہے تھے تو انہوں نے اپنے دوستوں اور ہم مسلکوں کے نام اپنے آخری پیغام میں لکھا تھا کہ

"میں اب اس حالت میں ہوں کہ نہ مجھے نجات کا انتظار ہے نہ زندگی کی اُمید، نہ گرفتاری سے ملول ہوں اور نہ موت سے متوحش۔ میں اس قید سے خوش ہوں کہ میرا جسم قید ہے قوم کی آزادی کے لئے۔ میری جان لی جا رہی ہے لیکن میں اس سے بھی خوش ہوں کہ میری موت ہوگی قوم کی زندگی کے لئے۔ مجھ پر قہر و غضب نازل کرنے والے اس حقیقت سے غافل ہیں کہ صاحبِ مقصد کی موت مقصد کو فنا نہیں کر سکتی۔ اور حرفِ حق صفحۂ روزگار پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو جاتا ہے۔ بس مجھے افسوس ہے تو اس بات کا کہ اپنی بوئی ہوئی کھیتی کو خود سرسبز ہوتے نہ دیکھ سکا۔ شمشیرِ شقاوت نے موقع نہ دیا کہ میں مشرق کی قوموں کی بیداری کا نظارہ کرتا اور اممِ مشرق کے حلق سے نکلنے والی صدائے آزادی سنتا......

"اب میں تم سے یہ آخری خواہش کرتا ہوں کہ آزادی و بیداری کے لئے کمر ہمت کسے رہنا۔ قید و بند کی سختیوں اور غارت گری سے نہ ڈرنا۔ مشکلات سے خستہ نہ ہونا۔ سلاطین کی حرکات مذبوحی سے نہ گھبرانا۔ اصلاح کی کوشش نہایت مستعدی کے ساتھ کئے جاؤ۔ فطرت تمہارے ساتھ ہے اور خالقِ فطرت تمہارا مددگار ہے۔ آزادی اور بیداری کا سیل تیزی کے ساتھ مشرق کی طرف رواں ہے اور مطلق العنانی کا خاتمہ ہونے والا ہے۔"

سید جمال الدین افغانی کے ان الفاظ میں ان کی وہ روح پوری طرح بیدار نظر آتی ہے۔ جس نے خود فراموش مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ مسلم حکمرانوں کی مطلق العنانی اور مغربی استعمار کی بنیادیں ہلا ڈالیں۔ آزادی و جمہوریت کے پرچم لہرائے۔ ملت کے گم کردہ کارواں کو اتحاد و استحکام ملی کی راہ پر گامزن کیا اور ایک ایسے دورِ بیداری کا آغاز کر دیا جو اسلامی دنیا کی نئی تاریخ بنتا ہے۔

مقاصد اور سرگرمیاں

سید جمال الدین کو اسلام اور مسلمانوں سے عشق تھا۔ ان کی بربادی نے افغانی کے حساس دل کو بہت متاثر کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی اس بربادی اور تباہ حالی کے اسباب پر غور کیا اور ایک قابلِ عمل حل تلاش کر لیا۔ ان کی حقیقت تلاش نظر نے یہ دیکھ لیا کہ مسلمانوں کی کمزوری کا بنیادی سبب ان کا باہمی اختلاف و افتراق

ہے۔ یہ اختلاف خود غرض حکمرانوں کا پیدا کردہ ہے۔ جنہوں نے اپنی مطلق العنان حکومت اور ذاتی اغراض کے لئے ملی اتحاد کو پارہ پارہ کر ڈالا تھا۔ اور اب بھی استحکام و اتحاد ملی کی راہ میں ان کے ملوکانہ عزائم سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے تھے مسلمانوں کے اس اختلاف نے مسلم ممالک کو کمزور کر دیا تھا اور مغرب کے استعمار پسند ان پر غلبہ حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ جمال الدین افغانی نے مسلمانوں کو اس تباہ حالی سے نجات دلانے کے لئے ایک لائحہ عمل بنایا اور اپنی تمام صلاحیتیں اور پوری زندگی اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وقف کر دی۔ اس کے لئے انہوں نے اپنی زبان اور قلم کی پوری قوتوں سے کام لیا۔ اور مغرب و مشرق کے تمام اہم ممالک ان کی جولان گاہ بن گئے ــــ درس گاہوں سے لے کر سلاطین کے درباروں اور سامراجی حکومتوں تک ہر جگہ انہوں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ان تھک کوششیں کیں۔ ذہنی انقلاب اور اسلامی بیداری پیدا کرنے کے لئے وہ جامعہ ازہر میں سرگرم عمل رہے۔ سیاسی استحکام کے لئے انہوں نے استنبول اور تہران کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا۔ مغربی استعمار کو شکست دینے کے لئے لندن اور پیٹروگراڈ میں کوشاں رہے۔ جمہوریت کی تلقین کے لئے پیرس کو اپنا مرکز بنایا اور حکمرانوں کی مطلق العنانی کے انسداد کے لئے ایسی ہمہ گیر تحریک شروع کی جس میں طلباء بھی شامل تھے اور علماء و مجتہدین بھی۔ عوام بھی شامل تھے، اور امراء و مدبرین بھی۔ اور مسلم ممالک میں دستوریت اور جمہوریت کے نئے دور کا آغاز سید جمال الدین کی اسی انقلاب آفریں تحریک سے ہوا۔

ابتدائی دور

سید جمال الدین افغانی ایک مشہور محدث سید علی ترمذی کی اولاد میں تھے۔ ۱۸۳۹ء میں کابل کے قریب ایک مقام اسد آباد میں پیدا ہوئے۔ زمانہ تعلیم میں انہوں نے غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کا ثبوت دیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں ہی ادب، تاریخ، فقہ، حدیث، تصوف، منطق، فلسفہ، ریاضی، طبیعیات، اور طب میں پورا عبور حاصل کر لیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں چند مہینے رہ کر سائنس کی تعلیم حاصل کی اور پھر حج کرنے چلے گئے۔ مکہ سے واپسی کے بعد امیر دوست محمد خان نے ایک عہدہ پر ان کا تقرر کر دیا۔ جب محمد اعظم کابل کا امیر ہوا تو اس نے سید جمال الدین کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ کچھ عرصہ کے بعد شیر علی تخت کابل پر قابض ہو گیا۔ اور سید جمال الدین ۱۸۶۹ء میں براہ ہندوستان مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ لیکن سوئیز پہنچ کر وہ قاہرہ چلے گئے۔ وہاں رفتہ رفتہ ان کی شہرت ہونے لگی اور اسی دوران میں انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ قاہرہ سے مکہ جانے کے بجائے پہلے قسطنطنیہ جائیں۔ چنانچہ ۱۸۷۰ء میں وہ پہلی مرتبہ ترکی گئے۔ جہاں وزیر اعظم علی پاشا اور دوسروں نے ان کی بڑی عزت کی۔ اور تعلیمی اصلاح کا کام ان کے تفویض کیا گیا۔

قسطنطنیہ میں انہوں نے مختلف موضوعات پر بڑی مؤثر اور بصیرت افروز تقریریں کیں۔ جن سے ان کی شہرت دور دور پھیل گئی اور ان کے عقیدت مندوں کی جماعت بڑھنے لگی لیکن ان کی اس شہرت اور ہر دلعزیزی نے نام نہاد طبقہ علماء میں ان کے شدید مخالف بھی پیدا کر دیئے۔ جن میں شیخ الاسلام حسن آفندی بھی شامل تھا۔ ایک مرتبہ جمال الدین نے یونیورسٹی کے ناظم کی خواہش پر طلباء کو مخاطب کیا۔ اس تقریر میں انہوں نے ملک کو ایک سیاسی جسد قرار دے کر جسم انسانی سے اس کا موازنہ کیا اور بتلایا کہ جس طرح انسانی جسم روح کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح کوئی معاشرہ بھی کسی رہبر کامل کے بغیر برقرار نہیں رہ سکتا۔ یہ رہبر کوئی نبی ہوتا ہے یا فلسفی۔ ان دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نبوت چونکہ خدا کی عطا کردہ ہوتی ہے اس لئے نبی غلطی نہیں کرتا لیکن فلسفی اکثر بھٹک جاتا اور غلطی کر بیٹھتا ہے۔

حسن آفندی موقع کی تاک میں تھا۔ اس نے اس تشبیہ کو نبوت کی توہین قرار دے کر جمال الدین کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ اور آخر کار حکومت کو افغانی سے یہ کہنا پڑا کہ وہ قیامِ امن کی خاطر کچھ دنوں کے لئے قسطنطنیہ سے چلے جائیں۔

مصر کی تحریکِ آزادی

چنانچہ سید جمال الدین مصر چلے گئے۔ پہلے قیامِ مصر میں جمال الدین نے محمد عبدہٗ اور جامعہ ازہر کے متعدد طلباء کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور انہوں نے جمال الدین سے مصر میں مستقل قیام کرنے اور نوجوانوں کو قومی تربیت دینے کی خواہش کی۔ مصر میں افغانی کی سرگرمیوں نے قومی بیداری پیدا کر کے آزادی کی تحریک شروع کر دی۔ اس زمانہ میں مصر کے حالات بہت نازک تھے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اپنا سامراجی جال بچھا رکھا تھا۔ افغانی نے یہ حالت دیکھی اور مصر کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش شروع کر دی معاشری اصلاح کے لئے انہوں نے مجلس وطنی قائم کی تعلیمی ترقی کے لئے جامعہ ازہر میں اصلاحات کی تجاویز مرتب کیں۔ آزاد صحافت کو منظم کیا۔ صحافیوں کو تربیت دی۔ اور قومی مفاد کا تحفظ کرنے والے اخبار جاری کروائے عوام میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لئے تمام ملک میں انجمنیں قائم کیں۔ مصر کی سیاسی تحریکیں افغانی کے مشورہ سے چلنے لگیں۔ خدیو اسماعیل کے خلاف عام ہیجان برپا ہوگیا اور اس نے آئینی اصلاحات نافذ کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ آخر کار اسماعیل کو معزول کر کے توفیق کو خدیو مصر بنایا گیا۔ اس نے یورپی دول سے سازش کی اور ایک فوجی دستہ کی مدد سے جمال الدین کو مصر سے نکال دیا لیکن مصر میں آزادی کی تحریک جاری رہی اور جمال الدین کی قائم کردہ مصری نوجوانوں کی تحریک نے جس کے رہنما عربی پاشا تھے بغاوت کر دی۔

ہندی مسلمان اور اُردو زبان

جمال الدین افغانی مصر سے ہندوستان روانہ ہوئے۔ اور حیدر آباد دکن میں قیام کیا۔ یہاں ان کی سرگرمیاں تعلیمی اصلاح پر مرتکز رہیں متعدد لیکچر دیئے اور نیچریوں کے جواب میں ایک رسالہ لکھا۔ افغانی کو سرسید کے مذہبی خیالات سے بھی اختلاف تھا چنانچہ ایک مقالہ اس موضوع پر بھی لکھا۔ ہندوستان میں جمال الدین کی علمی سرگرمیوں میں اس مقالہ اور تقریروں کی غیر معمولی اہمیت ہے جس میں اُنہوں نے اردو کو مسلمانانِ ہند کی مشترکہ قومی زبان اور ذریعہ تعلیم بنانے نیز ایک اُردو یونیورسٹی قائم کرنے کی ضرورت واضح کی تھی۔ اس بارے میں جمال الدین افغانی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ "قومی وحدت کی بقاء و قیام کے لئے اتحادِ زبان بہت ضروری ہے۔ متحدہ قومیت عین اتحادِ زبان ہے اور مجھے حیرت ہے کہ ہندوستان میں قومیت کے مفہوم کو خوب سمجھنے والے مسلمان بھی اس اہم مسئلہ پر توجہ کیوں نہیں کرتے۔ ان کی قومیت کی بقا اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہونے کا انحصار اس پر ہے کہ وہ اپنی زبان آردو میں جسے عمومی زبان کا رتبہ حاصل ہے جدید علوم کا ترجمہ کریں۔ اور اپنی اس زبان کو اپنے مدارس میں تعلیم کا ذریعہ بنائیں۔ تمام طبقات پر خواہ وہ علماء ہوں یا امراء خواہ ارباب تجارت ہوں یا اصحاب خلافت، ان سب پر واجب ہے کہ وہ قومی وحدت کو مستحکم کرنے کے لئے اتحادِ زبان کی اہمیت سے واقف ہوں اور آپس میں اتفاق کر کے اپنے کالجوں اور مدرسوں میں اُردو زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیں"۔

اردو کو ہندی مسلمانوں کی قومی اور تعلیمی زبان بنانے کی تجویز کے ساتھ ہی سیّد جمال الدین نے یہ تجویز پیش کی کہ حیدر آباد

میں جو مسلمانوں کی سب سے بڑی ریاست اور ان کے تمدّن و ثقافت کا مرکز ہے، ایک اُردو یونیورسٹی قائم کی جائے۔
ہندوستانی مسلمانوں پر انگریزوں کا خوف اس قدر مسلط تھا کہ افغانی کے لئے اس ملک میں سیاسی تحریکیں چلانا ناممکن تھا۔ لیکن اس دور کے مسلمانوں کے لئے افغانی کے یہ خیالات بڑے معنی خیز تھے: "مشرق میں انگریزوں کے پاس پچاس ہزار فوج کے سوا کوئی اور طاقت نہیں جو اتنے بڑے علاقوں کے باشندوں کو ان کی ناپسندیدہ حکومت کے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکے۔ عددی برتری اور قوت میں فوقیت رکھنے والے یہ نفوس ایک چھوٹی سی قوم کے پنجہ میں اس لئے گرفتار ہیں کہ انہوں نے اس جوہر کو بھلا دیا ہے جو خود ان کے اندر موجود ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی کمتری کے وہم سے نجات حاصل کر لیں اور اپنی صلاحیتوں سے پوری طرح کام لیں تو بڑی خونریزیوں کے بغیر ہی وہ غلامی کا جُوا اُتار پھینک سکتے ہیں۔"

یورپی ممالک میں جدوجہد

جب عربی پاشا نے مصر میں بغاوت کی تو انگریزوں نے افغانی کو کلکتہ میں نظربند کر دیا اور مصر پر انگریزی قبضہ مکمل ہونے کے بعد ان کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد سید جمال الدین چند ماہ کیلئے افغانستان گئے۔ اس کے بعد ایک وسیع تر منصوبہ کی تکمیل کیلئے ۱۸۸۳ء میں یورپ روانہ ہوئے۔ لندن میں چند روز قیام کر کے پیرس گئے جو ان کے مقاصد کی اشاعت کے لئے بہت موزوں شہر تھا۔ پیرس میں ان کے شاگرد اور رفیق محمد عبدہ اور سعد زاغلول بھی جا ملے۔ لندن سے ان کے ایک اور رفیق باقر ایرانی بھی پیرس آ گئے۔ اور ان سب نے اپنی تحریک کو چلانے کے لئے وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ یہاں افغانی نے اپنی ایک جماعت قائم کی۔ اور "العروۃ الوثقیٰ" کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا جس کے معرکۃ الآراء مقالوں نے مطلق العنان حکمرانوں اور استعمار پسند سیاست دانوں میں دہشت اور سراسیمگی پیدا کر دی تھی۔
افغانی کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع تر ہو رہا تھا۔ اسی زمانہ میں انگریزی اقتدار کے خلاف سوڈان میں مہدی نے اپنی تحریک عام کر دی تھی۔ اور انگریزوں کو شکست ہو رہی تھی چنانچہ انگریزوں نے جمال الدین سے یہ خواہش کی کہ وہ مہدی سے مصالحت کرا دیں۔ افغانی نے اس کے لئے یہ شرط پیش کی کہ انگریز اپنی فوجیں مصر سے ہٹا لیں۔ لیکن انگریز اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور مہدی نے انکی فوجوں کو تباہ کر دیا۔

اس زمانہ میں انگلستان اور روس دو بڑی طاقتیں تھیں جن سے مسلمان ممالک کو خطرہ تھا۔ چنانچہ افغانی نے یہ کوشش کی کہ ان دونوں طاقتوں کی رقابت سے فائدہ اٹھا کر مسلم ممالک کو محفوظ رکھا جائے۔ اپنے ایک مقالے میں افغانی نے اشارہ کیا تھا کہ اگر انگریزوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی پالیسی میں تبدیلی نہ کی تو وہ افغانستان جا کر اس کو روس کا حامی بنا دیں گے۔ اور ہندوستان پر روسی حملہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس سے پریشان ہو کر برطانوی وزیراعظم نے افغانی سے ملاقات کی۔ اور افغانی نے یہ واضح کر دیا کہ روس کی طاقت مسلم ممالک سے زیادہ انگریزوں کے لئے خطرناک ہے۔ اس لئے برطانیہ کو چاہیئے کہ وہ مصر سے اپنی فوجیں ہٹالے، سلطنت عثمانیہ سے دوستی کرلے اور مصر سے افغانستان تک مسلم ممالک سے اتحاد قائم کر کے روس کی جارحیت کو روکے۔ برطانوی حکومت نے پہلے اس سے اتفاق کیا لیکن عین وقت پر انکار کر دیا۔ اس کے بعد افغانی نے یہ طے کیا کہ انگریزوں کے خلاف روس اور مسلم ممالک کا اتحاد قائم کیا جائے۔

چنانچہ ۱۸۸۵ء میں وہ اس مقصد کے لئے روس گئے لیکن اس میں کامیابی نہ ہوسکی۔ تاہم افغانی کی کوشش سے روس میں مسلمانوں کو کچھ مذہبی حقوق مل گئے اور ایران و ترکی سے اس کے تعلقات بہتر ہو گئے۔ روس سے سید جمال الدین افغانی پیرس واپس ہوئے اور اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔

ایران کی بیداری

۱۸۸۶ء میں جمال الدین افغانی پہلی مرتبہ ایران گئے۔ اور ان کا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ شاہِ ایران ان سے خوفزدہ تھا اور اس کی خواہش تھی کہ افغانی کی تائید حاصل کرے۔ لیکن مصاحبوں نے ورغلایا کہ اگر جمال الدین ایران میں کچھ عرصہ رہے تو شاہ کو تخت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ آخر کار جمال الدین سے یہ کہا گیا کہ وہ ایران سے چلے جائیں انہوں نے اس کو منظور کر لیا اور روس چلے گئے۔ روس میں وہ تقریباً دو سال رہے۔ اس دوران میں شاہِ ایران پیٹروگراڈ گیا اور جمال الدین سے ملنے کی خواہش کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ ۱۸۸۹ء میں افغانی روس سے جرمنی گئے اور وہاں سے پیرس۔ جرمنی میں شاہِ ایران سے ملاقات ہوئی اور افغانی سے یہ خواہش کی گئی کہ وہ ایران اور روس میں مصالحت کرا دیں۔ اور کچھ عرصہ ایران میں رہیں۔ جمال الدین نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اور پیرس سے روس گئے۔ اور روسی حکومت سے گفتگو کے بعد ایران پہنچے۔ شاہ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ افغانی جب ایران آئیں گے تو ان کو وزیرِ اعظم بنایا جائے گا۔ اور وہ نظامِ حکومت کی اصلاح کر کے ملک کے سیاسی اور معاشی حالات کو بہتر بنائیں گے۔ لیکن جب افغانی ایران پہنچے تو بادشاہ نے بے رُخی برتی۔ افغانی نے شاہی مہمان بننے سے انکار کر دیا، اور قومی بیداری کی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ سیاسی اور اصلاحی انجمنیں تمام ملک میں قائم کی جانے لگیں۔ اور بادشاہ کی مطلق العنانی اور مغربی قوموں کے تسلط کے خلاف جمال الدین کی تقریروں اور تحریروں نے سارے ملک میں ایک ہیجان برپا کر دیا۔ طلباء اور نوجوان ان کے گرویدہ ہو گئے۔ عوام ان کے عقیدت مند تھے اور علماء و مجتہدین ان کے حامی و مددگار بن گئے۔

افغانی کا یہ نظریہ سب کے ذہن نشین ہو گیا کہ ظالم اور مظلوم دونوں مجرم ہیں۔ ظالم اس لئے کہ وہ ظلم کرتا ہے اور مظلوم اس لئے کہ ظلم برداشت کر کے ظالم کو ظلم کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اگر مظلوم یہ طے کرلے کہ وہ ظلم برداشت نہیں کریگا تو کسی ظالم کا وجود باقی نہ رہے گا۔

شاہِ ایران افغانی کی سرگرمیوں سے بہت پریشان ہوا اور آٹھ مہینے کی کوشش کے بعد اس کو موقع ملا کہ وہ جمال الدین کو ایک فوجی دستہ کی مدد سے ایرانی حدود سے باہر نکال دے۔ اس وقت افغانی بہت بیمار تھے۔ اور ان سے بادشاہ کی بدسلوکی نے ایرانیوں کو بہت مشتعل کر دیا۔

ایران سے نکلنے کے بعد افغانی عراق میں مقیم رہے۔ اس دوران میں شاہِ ایران نے تمباکو کا ٹھیکہ ایک انگریز کمپنی کو دیدیا۔ ایرانیوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ اور جمال الدین نے مجتہدِ اعظم کو ایک طویل خط لکھ کر شاہ کی بداعمالیوں پر متوجہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام مجتہدین نے افغانی کے نقطۂ نظر کی حمایت کی اور شاہ کو ناکامی ہوئی۔ اب جمال الدین نے ایران میں مطلق العنانی اور بیرونی طاقتوں کے اثر کو ختم کرنے کی ایک اور تحریک شروع کی۔ عراق سے وہ لندن گئے۔ اور ایران کے خودسر بادشاہ کو معزول کر دینے کی ترغیب دینے لگے۔ ایرانی محبِ وطن ملکم خان نے اپنے اخبار "قانون" کے ذریعے افغانی کی حمایت شروع کر دی۔ پھر افغانی نے بھی ایک اخبار ضیاء الخافقین

نکالا افغانی کی یہ تحریک ایران میں بھی مقبول ہونے لگی تو شاہ نے مصالحت کی ممکنہ کوشش کی لیکن افغانی نے انکار کر دیا۔

اتحادِ اسلامی کی تحریک

جمال الدین جب عراق میں تھے تو عبدالحمید سلطانِ ترکی نے ان کو قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی تھی۔ لندن میں ان کے کئی دعوت نامے موصول ہوئے اور آخر کار ۱۸۹۲ء میں وہ ترکی روانہ ہو گئے۔

سید جمال الدین نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں بارہا اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ مسلمانوں کا انتشار ان کی کمزوری کا ذریعہ ثابت ہوا ہے اور چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں منقسم ہونے کے بجائے ان کے لئے یہ زیادہ مفید ہوگا کہ وہ ایک بڑی متحدہ مملکت بنا کر ایک خلیفہ کو منتخب کریں۔ عبدالحمید نے افغانی کے ان خیالات سے فائدہ اٹھا کر تمام مسلمانوں سے اپنی خلافت کا سکہ تسلیم کروانے کا منصوبہ بنایا تھا۔

لیکن جمال الدین کا نظریۂ اتحادِ اسلامی عبدالحمید کے منصوبہ سے بالکل مختلف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس تصور کو ان الفاظ میں واضح کر دیا تھا کہ "مسلمانوں کی حکومت کے تحت بہت وسیع علاقے ہیں۔ ان کی آبادی بیس کروڑ سے زیادہ ہے۔ ان کا مذہب ایک ہے اتحاد و اتفاق ان کے دین کا پہلا اصول ہے۔ اور ان سب کو ایک مرکز پر جمع کرنے والا قرآن موجود ہے۔ اب اگر آج وہ خود اپنے ملکوں میں تباہ حال اور کمزور ہیں تو اس کا سبب اختلاف و افتراق کی وہ آگ ہے جو ان میں بھڑک رہی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ملّت پر آنے والے خطرات کا احساس کر کے باہم مربوط و متحد ہو جائیں اور اپنے اس مقصد میں ثابت قدم رہیں۔ ہر مسلمان حکومت اپنی ہم مذہب دوسری حکومتوں کی حفاظت اور مدد کے لئے تا حدِ مقدور کوشش کرے۔ اور یہ سمجھے کہ ایک مسلم ملک کی زندگی دوسرے کی زندگی ہے۔ اور ایک کی بقا دوسرے کی بقا پر منحصر ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے اتحاد کا ذریعہ دین ہو اور ان سب پر قرآن کی حکومت ہو۔" یہ تھا افغانی کا تصورِ اتحادِ اسلامی جس کو ترکی میں مقبولِ عام بنانے کے لئے ان کے رفیق کار سعید حلیم پاشا نے بڑی جدوجہد کی

سلطان کے نظریات سے اختلاف کے باوجود جمال الدین نے یہ طے کیا کہ وہ عبدالحمید کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں گے۔ اور اس کے اقتدار سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو فائدہ پہنچائیں گے چنانچہ اُنہوں نے مسلم ممالک کے اتحاد کے لئے یہ کوشش کی کہ ایرانی سلطانِ ترکی کو خلیفہ ماننے لگیں اور ترک شاہِ ایران کو شیعوں کا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ نیز دونوں فرقوں میں عقاید کی بناء پر جو اختلاف پیدا ہو گیا ہے وہ رفع کر دیا جائے۔ افغانی کی اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور علماء و مجتہدین نے بھی اس کی حمایت کی۔

جمال الدین کی دوسری تجویز یہ تھی کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا ایک بین الاقوامی ادارہ قائم کیا جائے جس کا مقصد یہ ہو کہ اگر کوئی غیر مسلم طاقت کسی مسلمان حکومت پر حملہ کرے تو سب مسلمان حکومتیں مل کر اس کا مقابلہ کریں۔ اس تجویز کی بہت تائید کی گئی۔ اور مختلف مسلم ممالک کے زعماء اس کو عملی شکل دینے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن شاہِ ایران کو اس سے اختلاف تھا۔ اور جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ جو ایرانی ترکی میں موجود ہیں وہ بھی اس کی حمایت کر رہے ہیں تو اس نے دھوکہ دے کر ایرانیوں کو تہران بلایا اور ان کو قتل کر دیا۔ جمال الدین کو اس سانحہ سے بڑی تکلیف ہوئی۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اسلام کے ان فدائیوں کا خون بہانے میں سلطان ترکی کی بے اعتنائی کا بھی دخل ہے۔

سید جمال الدین حکمرانوں اور حکومتوں کی اصلاح کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن ان واقعات کے بعد ان کو یہ اندازہ ہو گیا کہ حکومت کی اصلاح کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اُنہوں نے اس ناکامی کا اعتراف بھی اس طرح کیا:

"میں نے اصلاحِ ملت کے لئے جو کوششیں کیں وہ بار آور ہوئیں لیکن اصلاحِ حکومت کی جدوجہد رائگاں گئی۔ کاش میں نے اپنے افکار کے تمام تخم ملت کے زرخیز مزرعہ میں بوئے ہوتے اور سلطنت کے شورہ زار میں اپنے بار آور تخم نہ ڈالے ہوتے۔"

ان واقعات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی و ایران کے اتحاد اور مسلمانوں کے بین الاقوامی ادارہ کی تجاویز مکمل نہ کی جا سکیں اور جمال الدین کی راہ میں مطلق العنانی بدستور سب سے بڑی رکاوٹ بنی رہی۔

جمال الدین کے ایرانی رفقاء کا قتل ایسا واقعہ نہ تھا جس کو وہ اور اہلِ ایران خاموشی سے برداشت کر لیتے۔ ایران میں عام بے چینی بڑھنے لگی اور آخر کار ایک انقلابی نوجوان رضا کرمانی نے شاہِ ایران ناصر الدین قاچار کو ۱۸۹۶ء میں قتل کر دیا۔ عبدالحمید اپنی مرضی کے مطابق سید جمال الدین سے کام نہ لے سکنے کے باعث ان کا مخالف پہلے ہی بن چکا تھا۔ ناصر الدین قاچار کے قتل نے اس کی نظروں میں افغانی کی شخصیت کو خطرناک بنا دیا۔ چنانچہ سلطان نے ان کی نگرانی کرنا ضروری سمجھا اور اس نگرانی نے نظر بندی کی شکل اختیار کر لی اور آخر کار اسی حالت میں ۹۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو انہوں نے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی راہ لی۔

حکمرانوں کی شقاوت نے سید جمال الدین کو اتنا موقع نہ دیا کہ وہ مسلمانوں کی بیداری، مسلم ممالک کی آزادی، جمہوریت کے فروغ اور اتحادِ اسلامی کے حصول کی جدوجہد کو منزلِ تکمیل تک پہنچا سکتے لیکن مسلمانوں میں انہوں نے جو نئی روح پھونکی تھی وہ ان کے بعد بھی زندہ و بیدار رہی اور ان کی ڈالی ہوئی بنیادوں پر ہی عالمِ اسلامی کے نئے جمہوری دور کی عمارت تعمیر ہو رہی ہے۔

تاریخ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونانِ قدیم سے لے کر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ، جس میں جمہوریت کی نوعیت وارتقاء، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کشمکش۔ مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری نظریات کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ صفحات ۵۰۶۔ قیمت آٹھ روپے۔

سرسید کے مذہبی افکار (انگریزی)

مصنفہ بشیر احمد ڈار

سید احمد خاں ایک ترقی پسند اور روشن خیال تحریک کے علمبردار تھے۔ اور انیسویں صدی میں ہندوستان کے معاشرتی اور سیاسی حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھوں نے اسلامی تعلیمات کی جو تشریح و توضیح کی، اس کو اس کتاب میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔

قیمت دس روپے۔

سکریٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور